www.KitaboSunnat.com

فقہ واجتہاد

خطاب: صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ
ترجمہ: حافظ حسن مدنی

آزمائشوں اور فتنوں کے دور میں مسلمان کے لئے اہم ضوابط

آج کے پرفتن دور میں اپنی حفاظت کے لئے ہمیں اللہ سے دعاگو ہونا چاہئے اور اس اللہ کی پناہ میں آنا چاہئے جو ان تمام فتنوں سے بالاتر ہے جو دین کے لئے مہلک ہیں، جو عقل کو شل کر دیتے اور جسم و جان کو تباہ کر دیتے ہیں اور ہر خیر کے دشمن ہیں۔ ایسے سب فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے۔ کیوں کہ فتنوں سے کسی خیر کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ نبی اکرم ﷺ کا معمول بھی یہ تھا کہ آپ فتنوں سے پناہ مانگا کرتے اور لوگوں کو ان سے خبردار کرتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے الصحیح میں باب الفتن کا آغاز اس آیتِ کریمہ سے کیا ہے کہ:

"اس فتنہ سے ڈر جاؤ جو صرف ظالموں پر نہیں آئے گا"

اسی طرح نبی اکرم ﷺ فتن سے بچانے کا رویہ اپناتے کیونکہ فتنے جس وقت وقوع پذیر ہوتے ہیں تو صرف ظالموں پر نہیں بلکہ دوسروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔ ان کی پکڑ سے کوئی محفوظ نہیں رہتا۔ چنانچہ ہمیں چاہیے کہ ہم بھی ان سے محفوظ رہنے کی تدبیر کریں۔ ہر ایسی چیز سے پرہیز کریں جو ہمیں فتنہ سے قریب کردے۔ حدیث میں آتا ہے کہ قرب قیامت فتنوں کی کثرت ہو جائے گی:

"زمانہ قیامت قریب آجائے گا، عمل کی روایت سُست پڑ جائے گی اور ان میں بخیلی پھوٹ پڑے گی یا کثرت پکڑ جائے گی۔ یا آپ نے کہا کہ فتنے ظاہر ہو جائیں گے"

وجہ یہ ہے کہ فتنوں کے واقع ہونے سے فساد میں کثرت ہو جاتی ہے اور فساد میں شدت قیامت کے واقع ہونے کی اہم وجہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی رحمت کا یہ فیض تھا کہ آپ نے ہمیں فتنوں سے بچاؤ کی تلقین کی اور اپنی دعاؤں میں اس کو شامل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی یہی بات سکھلائی:

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿ وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً ﴾

اس آیت کی تفسیر میں ابن کثیر کہتے ہیں کہ "یہ آیت باوجود اس کے کہ اس کے اولین مخاطب صحابہ کرام تھے، عام مسلمانوں کو بھی شامل ہے کیونکہ اس آیت کے تحت نبی کریم ﷺ لوگوں کو فتنہ سے بچاؤ کی تلقین کیا کرتے تھے"

علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے ضمن میں فتنہ کی وضاحت ایسے کی ہے:

"فتنوں میں بہت سی چیزیں شامل ہیں جن میں سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں مجرمانہ غفلت برتنا، اور فرقہ بندی و اختلافات میں پڑ جانا۔ اسی طرح بدعت کے نمودار ہونے کے وقت اس کی تردید نہ کرنا بھی اس میں شامل ہے۔"

مزید فرمایا کہ "حالات کی مناسبت سے فتنے کی ہر قسم اس میں شامل ہے"

یعنی اگر ایسے حالات ہوں کہ مسلمانوں میں اختلافات و تعصب اور گروہ بندیوں کا دور دورہ ہو تو اس وقت ہمیں ایک دوسرے کو اس آیت کے ذریعے نصیحت کرنی چاہیے۔ کہ "لوگو اختلافات اور فرقہ بندیوں کو بھول جاؤ کیونکہ اس کا وبال اور انجام کار صرف ظالموں کے حصے میں نہیں آئے گا بلکہ سب کو اپنے گھیرے میں لے لے گا۔"

اس تمہید کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ ہم یہ صلاحیت رکھتے ہیں کہ اہل علم کے ذریعے عوام میں فتنوں سے بچنے کا شعور پیدا کریں اور خود بھی ان اصولوں سے آگاہ ہوں جو ہمیں آزمائش کا مقابلہ کرنے میں مدد دیں اس لئے کہ فتنوں کی کثرت میں عام شخص بھی ان سے محفوظ رہنے کی تدبیر سوچتا اور دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ بالخصوص نوجوان اسلامی ذہن رکھنے والا طبقہ اس میں کافی متحرک ہوتا ہے۔ چنانچہ میں بھی لازمی سمجھتا ہوں کہ اپنی قدر و وسعت کے مطابق سلف اور اہل علم حضرات سے ان مسائل کا حل آپ کے سامنے رکھوں اور دین میں اس بارے میں ہمیں جو راہنمائی دستیاب ہے اس سے آپ کو آگاہ کروں۔

کیونکہ جب فتنوں کی ظاہری صورت پر نظر نہ رکھی جائے اور مستقبل میں ان کے نتائج پر نہ سوچا جائے تو بہت ممکن ہے کہ ہماری حالت، آج سے بھی بدتر ہو جائے۔ بالخصوص اس حالت میں جبکہ اہل علم بھی اس سلسلے میں دینی بصیرت اور ہدایت سے قدرے غافل ہوں اور اللہ اور رسول کی رضا کے مطابق نت نئے پیدا ہونے والے حالات اور نمودار ہونے والے فتنوں کا مقابلہ نہ کر سکتے ہوں۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ ضروری ہے کہ ان قواعد کو سیکھ کر ان پر عمل پیرا ہوا جائے۔ ہمارا ایمان ہے کہ دینی رُشد و ہدایت پر عمل پیرا ہونے سے جہاں غلط شے میں مبتلا ہونے سے ہم بچ جائیں گے، وہاں اس کا نتیجہ بھلائیوں کی کثرت میں نکلے گا جس پر ان شاء اللہ ہمیں ندامت نہ ہوگی۔

الغرض: کسی معاملے میں اصول و ضوابط کی معرفت رکھنا فوائد سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اب ہم ان قواعد سے ابتدا کرتے ہیں جنہیں ادوار گذشتہ میں علماء اہل السنہ" والجماعۃ" نے قرآن و حدیث سے وضع کیا اور خود ان پر عمل کرکے دکھایا۔

اس سے پہلے ضروری ہے کہ ہمیں معلوم ہو۔ قاعدہ اور ضابطہ کسے کہتے ہیں؟ کسی مسئلہ میں ضابطہ اسے کہا جاتا ہے ـــــ جس کے ذریعہ ہم ایک قسم کے مسائل میں حکم لگانے کی معرفت حاصل کرسکیں اور ایک ہی قبیل کے مسائل کو اس ضابطے پر پیش کرکے حل کرسکیں ـــــ جبکہ قاعدہ وہ امر کلی ہے جس کی طرف مختلف قسم کے مسائل کو لوٹا کر فیصلہ کیا جاسکے۔

نبی اکرم صلوات اللہ و سلامہ علیہ کا ارشاد گرامی ہے:

"بلاشبہ تم میں جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا، وہ عنقریب بہت زیادہ اختلافات دیکھے گا، ان اختلافات کے دور میں تمہیں چاہئے کہ میری سنت اور میرے بعد آنے والے خلفاء راشدین (جو ہدایت یافتہ تھے) کی سنت اور طریقے پر عمل پیرا رہو۔ اس کو مضبوطی سے پکڑے رکھو۔"

نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد ایسے ہی ہوا۔ صحابہ نے بہت زیادہ اختلافات اور جھگڑے دیکھے اور صحابہ میں وہی زیادہ کامیاب رہے جنہوں نے ان قواعد کو ملحوظ رکھا جن کی نبی اکرم ﷺ نے تعلیم دی تھی اور جو خلفاء راشدین کی سنت تھی۔

ان قواعد پر عمل پیرا ہونے میں جن فوائد کی توقع ہے، وہ حسب ذیل ہیں:

پہلا فائدہ جس کے حاصل ہونے کا امکان ہے وہ یہ کہ مسلمان کا نظریہ ایسے غلط تصورات سے محفوظ رہ سکتا ہے جس سے شرع نے منع کیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں انسان غلط نظریات میں مبتلا ہونے سے بچ سکتا ہے اور واضح رہے کہ یہ تصورات و نظریات انسان کے رویوں پر بہت شدت سے اثر انداز ہوتے ہیں اور اس کے معاشرتی، اجتماعی اور خاندانی حالات پر فیصلہ کن انداز میں اثرات واقع ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان قواعد پر عمل پیرا ہونے سے انسان کی ذہن سازی صحیح اسلامی نظریات پر استوار ہوتی ہے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ مسلمان غلطی سے محفوظ رہے گا اور صراط مستقیم سے نہ بھٹکے گا کیونکہ اگر وہ ہدایتِ الٰہی سے ان فتنوں کے بارے میں فائدہ نہیں اٹھاتا تو ان گمراہیوں میں اس کے مبتلا ہونے کا خدشہ ہے اور یہ ممکن نہیں کہ وہ ان سے متاثر نہ ہو۔ جس کے نتیجے میں قدم بقدم وہ راہ ہدایت سے دور ہو سکتا ہے۔

ان قواعد کی اس قدر اہمیت کیوں ہے؟ اس لیے کہ علماء اہل سنت والجماعت، یعنی ہمارے اسلاف نے دلائل کی روشنی میں، اپنے وسیع دینی فہم و تجربے کی بنا پر ان کو اخذ کیا ہے اور ہمارا یہ حسن ظن ہے کہ جو شخص دلیل اور علماءِ اسلاف کے نقش قدم پر چلے گا، امید ہے کہ وہ اپنے طرز عمل پر ندامت سے بچا رہے گا۔

ان قواعد و ضوابط کی پابندی کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سے مسلمان گناہ میں واقع ہونے سے بچ جاتے ہیں کیونکہ ان قواعد کا لحاظ کئے بغیر اگر کوئی شخص اپنی صوابدید کے مطابق رستہ بنانے کی کوشش کرے گا وہ غلطی اور گناہ میں واقع ہونے سے محفوظ نہیں رہ سکتا کیونکہ اپنی صوابدید کے مطابق اختیار کئے ہوئے قول و فعل میں انجام کار علم نہیں ہو سکتا لیکن جب آپ قواعد و ضوابط کی روشنی میں دلیل کا رستہ اختیار کریں گے تو غلطی سے محفوظ رہیں گے۔ اس کے بعد بھی اگر خطا کا امکان ہے تو اللہ سے اُمید رکھنا چاہیے کہ ہمیں اجر سے محروم نہ کرے گا۔

قبل اس کے کہ ان قواعد کا ذکر شروع کیا جائے، یہ وضاحت ضروری ہے کہ ان اصولوں اور قواعد کا ماخذ کیا ہے۔ کہاں سے ہم نے ان کو حاصل کیا ہے:

چنانچہ واضح رہے کہ ان کا ماخذ اور دلیل دو چیزوں میں سے کوئی ایک ضرور ہے:

یا تو ادلہ شرعیہ یعنی قرآن و حدیث سے یہ ضابطے واضح طور پر ثابت ہیں اور علماءِ اہل سنت والجماعت نے ان کو شرعی ماخذ سے حاصل کیا ہے۔

دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ان کا ماخذ وہ عملی سنت (جس کی مسلمانوں نے رعایت کی ہے) ہو جس پر نبی اکرم ﷺ کے صحابہ نے عمل کیا ہے۔ صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ اسلام، اہل سنت والجماعت کے امام اور سلف کے لئے فتنوں کے نمودار ہونے کے وقت عملی سیرت ہوا کرتی تھی جس پر وہ عمل پیرا ہوا کرتے تھے اور اس بارہ میں ان کا رویہ امت کے لئے چراغ راہ ہے۔ اور مختلف حالات میں مختلف ائمہ نے ان اصولوں پر عمل کیا۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لہٰذا ہمیں یقین ہے کہ اس وقت تک ہماری نگاہ دھوکہ نہ کھائے گی اور عقل فریب کا شکار نہ ہوگی جب تک ہم ان کے رستے پر عمل پیرا رہیں اور ان کی عملی سیرت کو حرز جان بنائیں گے اور یہ اللہ بزرگ و برتر کی وسیع اور جلیل رحمت ہے کہ اس نے ہمیں کسی ہدایت کے بغیر نہیں چھوڑا۔ علماء ـــــ اہل السنت والجماعت ـــــ ہی وہ شخصیتیں ہیں جن کی طرف اس معاملے میں رجوع کیا جاسکتا، ان کی رائے کا اعتبار کیا جاسکتا اور ان کے فہم اور اقوال کو مشعل راہ بنایا جاسکتا ہے کیونکہ وہی شریعت کا علم حق رکھتے ہیں، اور اس کے کلی و بنیادی قواعد اور اصولوں کی ایسی معرفت رکھتے ہیں جس سے غلطی اور تفرقہ کا امکان باقی نہیں رہتا۔

جو شخص کسی صاحب بصیرت، ذی علم کے پیچھے چلتا ہے اور دلائل شرعیہ کی روشنی میں قدم اٹھاتا ہے تو اس کے لئے خوش بختی ہے، اور اس اتباع میں اس کے لئے ہدایت کی بشارت ہے۔ اور بعد میں ندامت سے محفوظ رہنے کی واثق امید ہے۔

فتنوں کے زمانے میں شرعی قواعد و ضوابط

ایسے دور میں کہ جب فتنے چہار سو پھیل جائیں اور حالات ہر دم غیر یقینی ہوں تو ہمیں نرمی، تدبر اور تحمل کے دامن میں پناہ لینی چاہیے۔

یہ قاعدہ بڑا اہم ہے یعنی تین امور کی طرف توجہ دی جائے:

پہلی الرفق ـــــ یعنی نرم رویہ! کیونکہ صحیح حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے:

"نہیں ہوتی نرمی کسی چیز میں مگر وہ نرمی اس کو خوب تر کر دیتی ہے، اور کسی چیز میں سے اگر نرمی ختم کر دی جائے تو اس کی ہیئت بگڑ جاتی ہے"

اہل علم کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا یہ قول "ما کان فی شیئ الا زانہ" میں کلمہ شیئ نکرہ ہے اور نفی کے سیاق میں آیا ہے۔ اصول کا تقاضا یہ ہے کہ یہ لفظ تمام قسم کے امور کو شامل ہو۔ یعنی نرمی ہر چیز میں پسندیدہ ہے جیسا کہ حدیث میں بھی ہے کہ نبی اکرم فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتے ہیں" آپ ﷺ نے یہ بات حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمائی، اس حدیث کو امام بخاری "باب الرفق فی الامر کلہ" کے تحت لائے ہیں۔

چنانچہ ہر کام میں نرمی کا رویہ ہونا چاہیے اور غیض و غضب کے بالمقابل نرمی و اُلفت کو اپنانا ضروری ہے کیونکہ نرم رویہ کا خوگر کبھی بھی نادم نہیں ہوتا۔ نرمی ہر چیز میں حسن پیدا کرتی ہے،

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

افکار میں، طرز عمل میں اور ہر اس چیز میں جو آپ کو پیش آسکتی ہے۔

چنانچہ کسی فتنے کے پیش آنے پر نرم روی سے اس کا جائزہ لیں اور جلدی کرتے ہوئے فوری فیصلہ نہ دے دیں۔ ہر کام میں خوبصورتی کو نظر انداز نہ کریں۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ خوبصورتی اور حسن نرم رویہ سے پیدا ہوتا ہے۔

دوسری چیز ہے "التأنّی" جس کا مطلب ہے کسی کام کو آہستہ آہستہ انجام دینا، عجلت کا مظاہرہ نہ کرنا، اشج عبد قیس کو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

"تجھ میں دو خصلتیں اللہ اور اس کے رسول کو محبوب ہیں: تحمل اور آہستگی سے کسی کام کو انجام دینا"

یہ بھی ایک اچھی خصلت ہے کہ انسان عجلت کے بالمقابل تدبر سے کوئی کام کرے۔ اسی لئے قرآن میں ارشاد ہے:

"انسان (عجلت کی بدولت) خیر کی دعا کرنے کی طرح شر کو دعوت دے دیتا ہے، درحقیقت انسان جلد باز ہے"

اہل علم کے مطابق اس آیت میں جلد باز انسان کی مذمت کی گئی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں کبھی بھی جلد بازی کا مظاہرہ نہ کیا۔

تیسری چیز ہے تحمل! متغیر حالات اور فتن کا سامنا کرنے میں تحمل کی حد درجہ ضرورت ہے کیونکہ تحمل کی بدولت ہی کسی چیز کو اس کے اصل تناظر میں دیکھا جاسکتا ہے اور اس کا صحیح فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

صحیح مسلم میں موسیٰ بن علی عن ابیہ کے طریق سے لیث بن سعد سے منقول ہے کہ مستورد قرشی کے پاس عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے تو مستورد کہنے لگا: میں نے نبی اکرم ﷺ کو سنا آپ کہتے تھے قیامت کے وقوع کے وقت اکثر لوگ روی ہوں گے۔ عمرو بن العاص نے کہا: اپنی بات پر نظر ثانی کریں۔ مستورد نے جواب دیا: مجھے کیا پڑی ہے کہ میں وہ بات نہ کہوں جو نبی اکرم ﷺ نے کہی ہو؟ عمرو کہتے ہیں "اگر یہی بات ہے تو رومیوں میں چار عادتیں خاص طور پر پائی جاتی ہیں: پہلی یہ کہ وہ فتنہ پیش آنے کے وقت سب سے زیادہ تحمل کا مظاہرہ کرتے ہیں، دوسری یہ کہ مصیبت کے وقت کے بعد سب سے پہلے وہ اس پر قابو پاکر اس کا تدارک کرتے ہیں۔ پھر مزید خصلتیں بتائیں بلکہ پانچویں کا بھی ذکر کیا۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واضح ہے کہ اس بات سے عمرو بن عاص روم کے عیسائیوں اور کفار کی مدح سرائی نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ وہ تو اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ ان کی بقاء اور آخر زمانے تک کثرت میں ہونے کی وجہ یہ ہوگی کہ وہ فتنوں پر بڑے تحمل سے غور و فکر کرکے ان کا فوری تدارک اور علاج کرتے ہیں، چنانچہ قیامت کے واقع ہونے پر سب سے زیادہ تعداد میں ہوں گے۔

صحیح مسلم کی شرح میں سنوسی اور اُبی کے کلام کا خلاصہ یہی ہے۔

اس بات سے کہ قیامت سب سے زیادہ رُومی لوگوں پر قائم ہوگی، نبی اکرم ﷺ کا مقصود ایک تنبیہ ہے کہ اس وقت روم کے لوگ سب سے زیادہ ہوں گے۔ کیوں؟ اس لئے کہ عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ ان میں چار خصلتیں ہوں گی اور پہلی وہ ہے جو سب سے اہم ہے اور جسے ہم نے بھی ذکر کیا ہے کہ جب فتنے نظر آنے لگیں تو تحمل سے کام لیتے ہیں، غصہ نہیں کھاتے نہ ہی جلدی کرتے ہیں بلکہ اس کے تدارک پر غور کرتے ہیں۔ اس درست رویہ کی وجہ سے قیامت تک ان کی کثرت رہے گی چنانچہ ہمیں اس عادت کو اپنانا چاہیے جس کی وجہ سے حضرت عمرو نے اہل روم کی تعریف کی، توجہ فرمائیں مسلمان دوسروں کے بجائے سب سے زیادہ خیر کے حقدار ہیں۔

تحمل و بردباری ہر معاملہ میں پسندیدہ ہے، آدمی کی ذہانت اور سمجھ داری کی دلیل ہے اور معاملے کو بہتر طریقے سے کنٹرول کرنے میں انسان کا مددگار ہے۔

مذکورہ قاعدہ میں بعض امور کا تعلق ضوابط سے ہے اور بعض قاعدے ہیں۔ میں نے سب کو اکٹھے اس لیے بیان کیا کہ ان کا استعمال ایک دوسرے سے مشروط اور یکجا ہے۔

دوسرا قاعدہ

کسی فتنے کے ظہور اور حالات کی تبدیلی پر کوئی فوری فیصلہ نہ سنا دیا جائے بلکہ اس کو اپنی مکمل ہیئت قائم کرنے کی مہلت دی جائے پھر اس پر اپنا تبصرہ اور جائزہ پیش کیا جائے۔ یہ قاعدہ اس اصول سے ماخوذ ہے کہ ـــــ "کسی شے پر حکم لگانا، اس کی اصل ہیئت سے بعد کی چیز ہے"

باشعور حضرات نے اس قاعدہ کا اسلام سے پہلے اور بعد میں بھی بڑی کثرت سے استعمال کیا ہے۔ کتاب اللہ میں اس کی شرعی دلیل یہ آیت ہے کہ "اور تو اس چیز کا فیصلہ نہ دے جس کا تجھے علم نہیں" مطلب یہ ہے کہ ایسا امر جس کو آپ جانتے نہیں اور اس سے اچھی طرح واقف نہیں، اس کے پس منظر و پیش منظر سے آگاہ نہیں تو اس میں فیصلہ دینے سے آپ کو بچنا چاہیے۔ ممکن ہے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ آپ کا فیصلہ لوگوں کے رویے پر اثر انداز ہو یا آپ خود اس فیصلے میں کسی اور عنصر سے متاثر ہوں اور صحیح فیصلہ دینے کی پوزیشن میں نہ ہوں۔

اس قاعدے کو ہم اپنی عمومی زندگی میں جابجا استعمال کرتے ہیں، مختلف حالات میں اس فیصلے کو اپناتے ہیں۔ عقلی طور پر بھی اس کو اپنانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ شریعت نے بھی اس کا لحاظ رکھا ہے اور اس کی ممکنہ وضاحت کی ہے:

اس کی چند مثالیں بیان کی جاتی ہیں تاکہ قاعدہ مزید نکھر جائے:

مثال کے طور پر کوئی آپ سے سوال کرتا ہے کہ "بیع مرابحہ" میں اسلام کا حکم کیا ہے؟"

تو مخاطب جواب دیتا ہے کہ نفع تو اصل مقصود ہے اور شریعت نے نفع لینے پر کوئی پابندی عائد نہیں کی چنانچہ مرابحہ کی بیع میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اس شخص کا یہ جواب صرف غلطی پر مبنی ہے کیونکہ اس نے کہنے والے کی مراد کو نہیں سمجھا اور مرابحہ کا معنی "خرید و فروخت میں منافع" سمجھ لیا۔ اس غلط تصور کی وجہ سے حکم شرعی کے بتانے میں غلطی کھائی۔

جبکہ کسی حکم شرعی کے بارے میں ہر ممکنہ کوشش کرنا ضروری ہے تاکہ وہ صحیح بنیاد اور تصور پر قائم ہو۔ چنانچہ مرابحہ بیع کی ایسی قسم ہے جو غیر اسلامی ہے۔ بینکوں کے موجودہ سود کاری نظام میں بطور حیلہ کے استعمال ہوتی ہے اور اس کی اجازت نہیں۔

اس قاعدے کی دوسری مثال یہ ہے کہ کوئی شخص آپ سے پوچھے کہ "شہود یہوہ" نامی جماعت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ تو اس جماعت کو جاننے والا تو یوں جواب دے گا کہ یہ جماعت اس اس طرح کے عقائد رکھتی ہے اور اس میں فلاں تحریک پائی جاتی ہے اس کے بارے میں اسلام کا فیصلہ یہ اور یہ ہے۔

جب کہ کوئی آدمی یہ بھی کہہ سکتا ہے میں اس نام کی کسی جماعت کو نہیں جانتا۔ میں نے اس سے پہلے اس کا نام بھی نہیں سنا۔ چنانچہ ایسا شخص اس جماعت کے بارے میں فیصلہ سنانے کا حقدار نہیں۔ اس کے بارے میں شرعی رائے بتانے کا بھی ذمہ دار نہیں۔ کیونکہ وہ خود اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں۔

اس وضاحت سے ثابت ہوتا ہے کہ حاکم، مفتی یا شرعی امور کے بارے میں رائے زنی کرنے والے شخص پر اس کی اپنی جان کا اور مسلمانوں کی جان کا یہ حق ہے اور اپنے آپ کو گناہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے بچانے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ کسی چیز کے بارے میں اس کا علم مکمل ہونے تک اپنا فیصلہ نہ سنائے۔ مگر جب درج ذیل دو امور یقینی ہو جائیں تب اس کو اس میں ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہیے۔

○ امر اول: اس پر پیش آمدہ مسئلہ پوری طور واضح ہو جائے اس طرح کہ دوسرے امکان کی گنجائش باقی نہ رہے اور اس کے فہم و عقل اور تصور میں اس کے مقابل کوئی خیال جاگزیں نہ ہو۔ کیونکہ بسا اوقات بعض مسائل مشترک نوعیت اور حکم کے ہوتے ہیں۔ اور ان کی ہیئت ایک مسئلہ سے دوسرے مسئلہ کی طرف بآسانی منتقل ہو سکتی ہے۔ اور فیصلہ دینے والے کے لئے غلطی میں واقع ہونے کا امکان قوی ہوتا ہے۔ اس وقت خطا کا امکان زیادہ ہے، ایسی حالت میں فیصلہ سے اجتناب ہونا چاہیے اور اپنے سے افضل کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

○ امر ثانی: اس وقت حکم سنایا جائے جبکہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم بعینہٖ اس مسئلہ میں اس کے لئے واضح ہو جائے نہ کہ اس سے ملتے جلتے مسئلہ میں۔

یہاں ایک اہم سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ یہ تصور کیسے واضح ہو گا؟ اور یقین کیسے حاصل ہو گا؟ کیونکہ بعض اوقات مسائل ملتے جلتے ہوتے ہیں اور ایسے عوامل نہیں پائے جاتے جن کے ذریعے اس کی اصل ہیئت پہچانی جا سکے اور ان کی صحیح تصویر سے آگاہ ہوا جائے۔

—— پہلا تو وہ شخص ہے جس سے اس مسئلے میں شرعی رائے طلب کی جا رہی ہے کیونکہ اسے خود مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔ جب وہ اس کے بارے میں معلومات اکٹھی کرتا ہے اور اس کے اطراف و جوانب کا جائزہ لیتا ہے تو اس کے لئے تصور واضح ہو جاتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے فتویٰ کے مطابق اس مسئلے کو بڑی وضاحت سے بیان کرتا ہے۔

—— مسلمان عادل اور ثقہ لوگوں کے اس تصور کو آگے نقل کرنے سے، جن کے نقل کرنے میں اس امر کی گنجائش نہ ہو کہ وہ اس میں غلطی کریں گے۔ چنانچہ ہر دم بدلتے حالات اور فتنوں کے زمانے میں کسی کافر آدمی کی بات پر اعتماد کرنا جائز نہ ہو گا۔ باوجود اس کے کہ وہ اپنا یہ تصور یا جائزہ کسی ریڈیو یا مجلّے یا کسی رپورٹ میں بیان کرے یا اپنے سامنے ہونے والے واقعہ سے بیان کرے۔ شرعی طور پر اس کافر کی بات قبول کرنا ممنوع ہے کیونکہ شرعی حکم کسی مسلمان عادل اور ثقہ راوی کے بیان پر مبنی ہو سکتا ہے، اس کے برعکس نہیں۔ جس طرح کہ احادیثِ نبویہ میں اس احتیاط کو بڑی شدت سے ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الغرض دوسرے قاعدے یعنی "کسی شے پر حکم اس کے اصل تصور پر مبنی ہوتا ہے" میں اصل چیز تصور ہے۔ اس تصور کی صحت کی بنیاد یہی ہے کہ کسی معتبر مسلمان سے اس کو سنا جائے یا پھر جس نے فتویٰ پوچھا ہے وہ اس تصور کو پیش کرے اگرچہ وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو۔

تیسرا قاعدہ

ہر معاملے میں انصاف اور عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے دیا جائے۔ قرآن مجید میں ہے:

"جب بھی تم کہو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو چاہے اس سے تمہارا قریبی ہی متاثر ہو"

اللہ جل شانہ فرماتے ہیں "کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ تم عدل سے کام نہ لو بلکہ عدل سے ہی فیصلہ کرو کیونکہ یہی تقویٰ کے قریب تر ہے"

اس مسئلہ کی وضاحت، احادیثِ نبویہ میں کافی موجود ہے۔ یعنی اپنی بات میں بھی عدل سے کام لو اور کسی کے بارے میں فیصلہ دینے میں بھی عدل کرو۔ کیونکہ جو شخص اپنی بات اور فیصلہ میں عدل نہیں کرتا گویا اس نے شریعت کی اتباع نہیں کی جس سے اس کی نجات یقینی ہو سکے۔

اس قاعدے میں عدل اور انصاف سے کیا مراد ہے؟

مطلب یہ ہے کہ آپ کے پسندیدہ معاملوں میں اگر آپ کو فیصلہ درکار ہے، ایک معاملہ آپ کی ذاتی پسند ہو اور دوسرے کو آپ ناپسند کرتے ہوں تو اس وقت آپ کا رویہ دونوں کے لئے یکساں ہونا چاہیے اس کے بعد حکم لگانا چاہیے۔ کیونکہ یقینی سی بات ہے کہ انسان دونوں جانب کو بیک وقت، ایک نظر سے دیکھنے کے بعد ہی اس قابل ہو سکتا ہے کہ شریعت کے خلاف کوئی بات یا دین کے مزاج سے مخالف کوئی معاملہ دین کے نام لگانے سے بچ سکے۔

چنانچہ اس فیصلے میں روشن اور تاریک پہلوؤں کا جائزہ بھی ضروری ہے اور بعد میں اس کے بغور جائزہ لینے کے نتیجے میں اللہ سے توقع کی جاسکتی ہے کہ آپ کو راہِ حق سے فائز فرمادے۔

یہ مسئلہ کافی اہمیت رکھتا ہے اور اس قاعدے کی رعایت رکھنا لازمی ہے۔ کیونکہ جو شخص عدل و انصاف کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تو اس کی خواہشات اور پسند و ناپسند اس کے فیصلے پر اثر انداز ہو سکتی ہیں اور اگر وہ خدانخواستہ غلط فیصلے یا حکم میں مددگار ثابت ہوتا ہے تو نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان اس پر وعید ہے:

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"جو شخص بُری روایت جاری کرتا ہے تو اس پر اس روایت کا وبال ہے اور ان لوگوں کا بھی وبال ہے جو بعد میں اس روایت پر عمل پیرا ہوئے"

بہت بڑی مصیبت کا سامنا اس وقت کرنا پڑتا ہے جب ایسا (مبنی برھویٰ) فعل یا فیصلہ ایسے شخص سے صادر ہو جو صاحبِ علم، رشد و ہدایت سمجھا جاتا ہو کیونکہ جاہل اور کم علم رکھنے والے عوام بھی اس فیصلہ کرنے والے کی اہمیت کے پیش نظر اس کے غلط فیصلے پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

غرض کسی بھی معاملے میں ہمیں فیصلہ کرنے سے قبل ذاتی رائے، خواہش و رویہ کو بے دخل کرکے دونوں جانب کے نکات ذہن میں رکھ کر فیصلہ کرنا چاہئے۔

چوتھا قاعدہ

جس پر اللہ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: ﴿ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا ﴾ اس آیت کی وضاحت میں نبی اکرم ﷺ کہتے ہیں: "علیکم بالجماعة وایاکم والفرقة" "جماعت سے منسلک رہو اور فرقہ بندی سے باز رہو" ایک اور حدیث جسے عبداللہ بن احمد نے "زوائد مسند ابیہ" میں روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اجتماعیت رحمت ہے اور فرقہ بندی عذاب ہے"

اس سے فرقہ بندی کی تمام اقسام مراد ہیں یعنی آراء میں اور اقوال میں ایک دوسرے سے مخالفت رکھنا یا اعمال میں اختلاف کرنا۔ اس کی سب صورتیں ہی عذابِ الٰہی ہیں جو امرِ الٰہی سے روگردانی کا نتیجہ ہیں۔

چنانچہ جو شخص جماعت اہل السنت و الجماعت سے منسلک رہے، ان کے ائمہ اور علماء کا تابع فرماں رہے تو گویا اس نے جماعت کو پکڑے رکھا۔ اس کے بالمقابل جو شخص کسی دوسرے فرقہ کی طرف جاتا ہے تو گویا دنیا کی زندگی میں اللہ کی طرف سے اس پر عذاب مسلط کیا جاچکا ہے اور آخرت میں اس کا برا انجام ہے۔

جماعت اپنی تمام صفات اور حالات میں، جب تک ہُدایت حق پر گامزن رہے تو اللہ کی رحمت کا اس پر نزول ہوتا رہے گا۔ جبکہ تفرقہ بندی عذاب ہے اور اس میں کسی طور پر خیر کی گنجائش نہیں۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس آیت ﴿ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا ﴾ کے بعد

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والی آیت میں فرمایا کہ "تم میں ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے اور نیکی کا حکم دے، برائی سے منع کرے، یہی لوگ ہی ہدایت یافتہ ہیں" بعد میں فرمایا:

"تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے فرقہ بندی اختیار کی اور دلائل و حقائق کے بعد آپس میں اختلاف کیا، ان لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے"

وہ لوگ جنہوں نے اقوال و اعمال میں حقائق اور ہدایت واضح ہونے کے بعد مختلف راہ اختیار کی، تو یہ لوگ گمراہی سے محفوظ نہ رہ سکیں گے، باہمی اختلاف سے بچ نہ سکیں گے اور ہدایت کی راہ سے ہٹے ہوں گے۔

لہٰذا از بس ضروری ہے کہ جماعت اہل السنۃ والجماعۃ کی پیروی کی جائے، ان کے اقوال کو مشعلِ راہ بنایا جائے، ان کے قواعد و اصولوں سے آگے نہ بڑھا جائے۔ علماءِ جماعت نے جن اصولوں کو منضبط کیا ہے ان سے باہر نہ نکلا جائے۔ کیونکہ وہ بہرحال دلائل شرعیہ، اہل السنت والجماعت کے اصول، دیگر بہت سے اہل علم کی بہ نسبت زیادہ جانتے تھے کیونکہ اللہ نے انہیں رسخ علم، صائب نظر اور علم میں ثابت قدمی سے مالا مال فرمایا تھا۔

غور کریں کہ عبداللہ بن مسعود نے اس وقت کیا رویہ اختیار کیا جب وہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ حج میں موجود تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نماز میں قصر کے بجائے پوری نماز پڑھا کرتے۔ کہ منیٰ میں چار رکعات پڑھتے۔ جبکہ مسنون یہ ہے کہ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھی جائیں، ہر چار رکعت والی نماز کے قصر کے طور پر۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شرعی تاویل کی بنا پر مناسب یہ سمجھا کہ انہیں وہاں چار رکعات پڑھنا چاہئیں۔ جبکہ حضرت ابن مسعود کہا کرتے کہ ہر چار رکعت نماز کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کی واضح سنت یہی ہے کہ دو رکعتیں منیٰ میں پڑھی جائیں۔ انہیں کہا گیا: اے عبداللہ بن مسعود! اِدھر تو آپ یہ بات کہتے ہیں دوسری طرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ چار رکعات بھی پڑھتے ہیں، ایسا کیوں ہے؟ جواب دیا: "اے فلاں! اختلاف کرنا شر محض ہے، اختلاف شر محض ہے، اختلاف شر محض ہے" ابوداؤد نے اسناد قوی سے اس کو روایت کیا ہے۔

ثابت ہوا کہ ان کے فہم کی روشنی میں: جو شخص اختلاف کا رستہ اپناتا ہے تو جہاں اپنے لئے فتنے کھڑے کرتا ہے وہاں دوسرے بھی اس فتنے کی لپیٹ میں آتے ہیں۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پانچواں قاعدہ

فتنہ کے انتشار کے وقت، اس امر کی پروا کئے بغیر کہ وہ مملکت کی رائے ہے یا اس کی طرف بلانے والوں کی، مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اسے شرعی میزان پر پرکھے۔ جو اہل سنت و الجماعت کا میزان ہے۔ جو بھی اس میزان پر پرکھ کرے گا تو اس کا فیصلہ حق پر مبنی اور قائم برانصاف ہوگا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے میزان کے بارے میں فرمایا ہے کہ "ہم قیامت کے دن انصاف کا ترازو قائم کریں گے۔ اس دن کسی جان پر ظلم نہ کیا جائے گا"

اسی طرح اہل سنت والجماعت کے لئے بھی حق پرکھنے کے لئے انصاف پر قائم میزان ہیں، جن پر وہ اپنے امور، افکار اور حالات کی پرکھ کرتے ہیں۔ یہ میزان ائمہ کی تعلیم کے مطابق دو قسموں میں منقسم ہیں:

۱۔ فتنے کے جائزہ لینے میں پہلا میزان یہ ہے کہ جس کے ذریعے اسلام اور کفر کا فیصلہ ہو۔ یعنی دعوائے اسلام کی صحت اور عدم صحت کو پرکھا جاسکے بے شمار نعرے ایسے ہیں کہ انہیں اسلام سے منسوب کیا جاتا ہے لیکن ان کا اسلام سے تعلق اور عدم تعلق بھی محل نظر ہوتا ہے۔ چنانچہ دیکھا جائے کہ آیا یہ اسلامی رائے ہے تب اس پر احکام شرعی وارد ہوں گے اور اس کی رعایت لازمی تصور ہوگی۔

۲۔ میزان اور ترازو کی دوسری قسم وہ ہے جس سے اسلام کے کمال اور عدم کمال اور اسلام پر حقیقی استقامت کے ہونے یا نہ ہونے کو پرکھا جاتا ہے۔

میزان کی پہلی قسم میں کفر و اسلام کا فیصلہ کیا جانا مقصود ہے کہ آیا رائے مبنی برایمان ہے یا نہیں؟ اور دوسری قسم اس امر سے بحث کرتی ہے کہ یہ رائے آیا عین طریق ہدایت پر مبنی ہے جس کو اللہ و رسول نے پسند فرمایا ہے یا اس سے دین میں نقص لازم آتا ہے۔ جب یہ تقسیم واضح ہو جائے تو تب شرعی احکام کا اجراء ممکن ہوگا۔

○ قسم اول، جس کا تعلق اسلام اور کفر سے متعلق رائے سے ہے اس کی پہچان کے لئے مندرجہ ذیل تین امور کا ہونا ضروری ہے:

پہلی بات یہ ہے کہ کیا اس میں اس کی صراحت پائی جاتی ہے کہ صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے یا نہیں۔ کیونکہ تمام انبیاء کے دین کا اصل نکتہ توحید الوہیت ہے اور دین کا مبتدا و

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منتہیٰ یہی ہے۔ چنانچہ جو شخص توحید پر مبنی نعرہ بلند کرے اور اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا اثبات کرے، غیر کو شریک نہ ٹھہرائے تو ثابت ہوگا کہ یہ نعرہ اسلامی ہے۔ جبکہ اس میں باقی آئندہ دو شروط بھی پائی جائیں۔

پہلا میزان یہ ہوا کہ ہم اس بات کا جائزہ لیں کہ آیا یہ رائے توحید اور غیراللہ کی عبادت نہ کرنے کے مفہوم پر مبنی ہے۔ دوسرے درجے میں یہ دیکھا جائے اس میں نبی اکرم کی نبوت کی شہادت متضاد کوئی بات نہ پائی جائے۔ اور شہادت رسالت کا تقاضا ہے کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کی مکمل حکمرانی ہو، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

"یہ لوگ کبھی ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک اپنے جھگڑوں میں آپ سے فیصلہ نہ کروائیں۔ اس کے بعد ان کے دلوں میں اس فیصلے پر کوئی تنگی یا دشواری کا رویہ پیدا نہ ہو اور وہ اس رائے کو کھلے دل سے تسلیم کرلیں"

چنانچہ آپ کو دیکھنا چاہیے کہ یہ رائے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ کو تسلیم کرتی ہے۔ اور اس رویے پر مبنی ہے کہ جب لوگوں میں اپنے فیصلوں کے بارے میں جھگڑا ہو جائے تو ان میں شرعی قاضی اس کا فیصلہ کرے گا۔ اگر ایسے ہو تب اس رائے کو شرعی سمجھا جائے گا کیونکہ یہ شریعتِ الٰہی کے بلند تر اور حاکم ہونے پر مبنی ہے۔

تیسرا میزان یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ اس میں محرمات کو حلال کیا گیا ہے یا محرمات کے ارتکاب پر ناپسندیدگی، کراہت اور انکار کا رویہ اپنایا گیا ہے۔

ایسا حکم جس کی حرمت پر امت متفق ہے، اس کے بارے میں دو باتیں ہو سکتی ہیں:

یا تو اس رائے میں اس حکم کو حلال کیا گیا ہوگا، تو یہ کفر ہے، اللہ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ پیش آمدہ معاملہ حرام ہے لیکن اس کا ارتکاب موجود ہے اور رائے کے حاملین اس چیز کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ حرام ہے اور اس سے احتراز ضروری ہے۔ اس وقت فیصلہ ہو سکتا ہے کہ یہ رائے اسلامی ہے۔

قسم اول کے تحت یہ تین میزان ہیں جس کے بعد ہم رائے کی پرکھ کر سکتے ہیں۔

○ قسم ثانی ان موازین سے بحث کرتی ہے جو اسلام کے کمال اور عدم کمال سے تعلق رکھتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ نے تمام دین پر عمل کیا جس طرح وہ اللہ کے پاس سے ان تک پہنچا۔ آپ ہی وہ مقتدیٰ ہیں جن کی تابعداری فرض ہے۔ آپ سے اس دین کو خلفاء راشدین اور صحابہ کرام نے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آگے منتقل کیا۔ اس کے بعد آج تک اسلام میں نسبتاً کمی کی طرف رجحان رہا حتیٰ کہ آج دین اس مقام تک پہنچا جس میں ہم زندگی گزارتے ہیں۔ ارشاد نبوی ہے:

"اور کوئی زمانہ ایسا نہیں مگر اس کے بعد شر میں اضافہ ہوتا رہے گا حتیٰ کہ تم اپنے رب سے ملاقات کرلوگے"

اس قسم کے تحت دیکھا جائے گا کہ امور شرعیہ کی پاسداری کے بارے میں اس رائے کا رویہ کیا ہے۔ نماز کے حکم کے سلسلہ میں، منکرات سے روکنے کے سلسلے میں، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے بارے میں اس رائے کا رجحان کیا ہے۔ ان امور کے سلسلے میں جو فرائض سے اور ادا... ـــ متعلق ہیں، اس رائے کا طرز عمل کیا ہے۔ اگر رائے ان امور پر مثبت طور سے پوری اترے تو یہ رائے مبنی بر کمال ہے، بصورت دیگر اس کے برعکس!

مذکورہ بالا میزان بہت اہم ہیں اور ہر وقت دل و دماغ میں حاضر رہنے چاہئیں تاکہ کسی گمراہ کن نظریہ کی تشہیر کے وقت، اور کسی حق ... کے مخلوط نظریے سے واسطہ پیش آنے پر آپ راہی ــ

جب ان سب امور کا جائزہ واضح اور یقینی ہو جائے اور رائے کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ ہو جائے تو دینی لحاظ سے یہ بات آپ پر واجب ہے کہ آپ اسلامی رائے کو نشر کریں اور اس سے محبت کریں کیونکہ دین ہمیں مسلمانوں سے محبت اور دوستی کا حکم دیتا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ رائے کے بارے میں آپ کی پرکھ واضح اور یقینی ہو اور اس میں تردد اور کفر و اسلام کے التباس یا کسی شے کے غیر اسلامی ہونے کا شائبہ تک نہ ہو۔ جب اسلام ہونا یقینی ہو جائے تب اس پر شرعی احکام جاری ہوں گے۔

ثانیاً یہ ہے کہ اب اس رائے کو آپ دوسرے افراد کی خیر خواہی کے لئے نشر کریں۔ اہل سنت والجماعت کا اہل بدعت کے برعکس یہ طریقہ ہے کہ وہ دوسروں کی خیر خواہی میں کوشاں رہتے ہیں۔ اور اس خیر خواہی کے بدلے میں دوسرے سے کسی معاوضے کی امید نہیں کرتے۔ جب یہ خیر خواہانہ طرز عمل آپ کے دل میں جاگزیں ہو جائے تب آپ اہل سنت کے حقیقی منہج پر ہیں۔

لیکن مذکورہ بالا موازین کا صحیح استعمال اور ان کے بارے میں اطمینانِ قلبی اگر آپ کو میسر نہ آسکے تو علماء کی طرف رجوع کریں کیونکہ وہی صحیح شرعی رائے قائم کرسکنے کے اہل ہیں۔ اسلام اور عدم اسلام اور ان موازین کا برمحل استعمال تو وہی بہتر سمجھتے ہیں مثال کے طور پر ائمہ اہل سنت

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والجماعت یہ فیصلہ دیتے ہیں کہ جہاد ہر امام اور حاکم کے ساتھ کیا جائے، باوجود اس کے وہ فاجر و فاسق حاکم ہو لیکن اس کے ساتھ مل کر جہاد جاری رکھا جائے گا۔ کسی شخص کے غلط حاکم ہونے سے دلیل لیتے ہوئے جائز نہ ہوگا کہ وہ اس سے کنارہ کش رہے۔

یہ ضابطہ ہر وقت آپ کے سامنے رہنا چاہیے ممکن ہے کہ مستقبل میں ایسے حالات کا آپ کو سامنا ہو جو ہم سے مخفی ہیں۔ تب اپنے معاملات، حالات اور افکار کی صحیح پرکھ کے لئے ضابطوں کا آپ کو لحاظ رکھنا پڑے گا ـــــ انہی میں سے ایک بات یہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ آپ کا حاکم بنائے اس کے بارے میں آپ کو دعا کرنی چاہیے اور اس کی خیر خواہی کرنا چاہیے۔

امام البرالبھاری جو اہل سنت کے مشہور امام ہیں، اپنی کتاب "سنت" میں فرماتے ہیں:

> "جب آپ کسی ایسے شخص کو دیکھیں جو حاکم کے حق میں بات کرے تو اس کو سنت پر عمل کرنے والا سمجھیں اور اگر کسی ایسے آدمی کو دیکھیں جو حاکم کے خلاف لوگوں کو ابھارتا ہو تو سمجھ لیں کہ یہ آدمی بدعت پر عمل پیرا ہے"

فضیل بن عیاض اپنے وقت کے سلطان کی حمایت اکثر فرماتے رہتے۔ ہم جانتے ہیں کہ ان کے وقت کے سلاطین بنو عباس کس درجہ کے حکام تھے، اس کے باوجود آپ ان کی حمایت کیا کرتے انہیں کہا گیا کہ آپ اپنی حمایت سے زیادہ ان کی حمایت میں بولتے ہیں۔ جواب دیا کہ یہ بالکل ایسے ہی ہے جس طرح اگر میں خود درست ہو گیا تو یہ فقط میری ذاتی نیک بختی ہوگی اور اگر حاکم وقت کی اصلاح ہو گئی تو یہ تمام مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے۔

غرض جو آدمی عامۃ المسلمین کی فلاح کا خواہاں ہے اسے چاہیے کہ اپنے حکام وقت کی خیر خواہی کرے اور ان کے بارے میں متفکر رہے کہ اس کے تفکر کا پھل امت کے لئے عظیم تر ہے۔

چھٹا قاعدہ

آزمائشوں کے دور میں قول و عمل کے لئے بھی ضوابط ہیں۔ ایسا نہیں کہ ہر وہ بات جسے آپ صحیح سمجھتے ہیں اس کو زبان سے کہہ دیں۔ اور ہر کام جو آپ اچھا سمجھتے ہیں اس کو کر دکھائیں۔ کیونکہ فتنہ کے دوران آپ کا قول و عمل کیسے بھی اثرات چھوڑ سکتا ہے۔

مثال کے طور پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "میں نے نبی اکرم ﷺ سے دو چیزیں محفوظ کیں۔ ان میں ایک کو میں نے عوام میں پھیلا دیا اگر دوسری کو میں لوگوں میں پھیلاتا تو

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میری گردن کاٹ دی جاتی" ۔ امام بخاری نے اس کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

اہل علم کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ "اگر میں دوسری کو ظاہر کرتا تو میری گردن کاٹ دی جاتی" سے مراد یہ ہے کہ فتنوں کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کے فرمان کو انہوں نے مخفی رکھا اور ان احادیث کو بھی جو بنی امیہ کے بارے میں تھیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات امیر معاویہ کے دور میں ارشاد فرمائی جبکہ لوگ افتراق و انتشار کے بعد حضرت معاویہ پر اکٹھے ہو چکے تھے۔ ان حالات اور واقعات کو جانتے ہوئے جن حالات میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان احادیث کو پردہ اخفاء میں رکھا۔ تو کیوں چھپایا؟ کیا وہ نبی اکرم ﷺ کی احادیث نہ تھیں۔ یہ درست ہے کہ وہ احکام شرعیہ سے متعلق نہ تھیں۔ لیکن فتنوں کے بارے میں ان میں کافی رہنمائی موجود تھی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ کیوں نہ کہا کہ حدیث بالکل سچی ہے اور ان حالات میں علم کو چھپانا کسی طور جائز نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ باوجود مفید ہونے کے ان احادیث کو پھیلانے سے یہ نقصان ہو سکتا تھا کہ لوگ جو کہ ایک بار معاویہؓ کی امارت پر متحد ہیں، دوبارہ افتراق کا شکار ہو جائیں گے۔

اسی طرح ابن مسعود کا فرمان (بروایتِ صحیح مسلم) ہے کہ:

"بعض اوقات آپ لوگوں کے سامنے ایسی بات کہہ دیتے ہیں جس تک ان کی عقل کی رسائی نہیں، یہ بات ان میں بعض کے لئے فتنہ بن جاتی ہے"

لوگ فتنوں کے زمانے میں کسی کہنے والے کی بات، جو کسی اہم بات سے تعلق رکھتی ہو کو بعض اوقات صحیح سمجھنے میں غلطی کر جاتے ہیں۔ کچھ ایسی باتیں سن لیتے ہیں جن تک ان کی عقل کی رسائی نہیں۔ اپنے تئیں کچھ اعتقادات تصور کر کے معاملہ خراب کر دیتے ہیں۔ اپنی سوجھ بوجھ، پیش آمدہ مسائل اور سنی سنائی باتیں، بعض ایسی باتیں بھی جو ان کی سطح ذہن سے بالا ہوتی ہیں، سن کر اپنے حالات، اعمال، اقوال کی غلط تعبیر کر بیٹھتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ سلف اس معاملے میں کافی احتیاط برتتے اور موقع محل دیکھ کر بات کرتے۔ دیکھئے حضرت حسن بصری کا وہ واقعہ جب انہوں نے انس بن مالک کو حجاج بن یوسف کے سامنے یہ حدیث بیان کرنے سے روکا کہ "نبی اکرم ﷺ نے قبیلہ عُرینہ کے لوگوں کو قتل کیا، جو اونٹوں کا پیشاب پینے کے بعد ان کے چرواہوں کو قتل کر کے اونٹوں کو بھگا لے گئے تھے" آپ" حضرت انس کو کہنے لگے کہ تم حجاج کو یہ حدیث کیوں بیان کرنا چاہتے ہو؟ اور کہا کہ حجاج اس وقت انسانوں کے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خون میں ڈوبا ہوا ہے اور وہ اس وقت اس حدیث کو ایسے معنی میں محمول کرے گا جو اس کی حمایت میں جاتا ہو۔ چنانچہ ضروری ہے کہ یہ حدیث اور یہ بات حجاج سے مخفی رکھی جائے۔ کیونکہ اس کی عقل و فہم سیدھی اور درست نہیں اور وہ سمجھ نہ پائے گا کہ یہ حدیث اس کی تائید میں ہے یا اس کے خلاف ہے اور وہ اس کو اپنی حمایت میں ہی تصور کرے گا۔

غرض حضرت حسن بصری نے انس رضی اللہ عنہ کو جو صحابی رسول ہیں۔ اس حدیث کو بیان کرنے سے منع کیا۔ بعد میں ان کی بات سچ ثابت ہوئی اور حضرت انس رضی اللہ عنہ حدیث عرینیین کو حجاج کے سامنے بیان کرنے پر نادم ہوئے اور افسوس کا اظہار کیا۔

اس طرح حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پہلے احادیثِ فتن کو لوگوں سے مخفی رکھا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ لوگ اس کے ضرورت مند نہیں۔

اسی طرح امام احمد بن حنبل نے بھی ان احادیث کا ذکر کرنا ناپسند کیا جن میں سلطان کے مقابلے میں نکلنا مشروع ٹھہرایا گیا ہے اور حکم دیا کہ ان کی مسند سے ان کو حذف کر دیا جائے اور کہا کہ "فتنہ پھیلانے میں کوئی بھلائی نہیں، سلطان کے مقابلے میں نکلنے میں بھی کوئی خیر نہیں" ابو یوسف نے بھی اس طرح اجنبی احادیث کے ذکر سے اجتناب برتا۔ امام مالک نے بھی ایسی احادیث کا ذکر مناسب نہ سمجھا جن میں سلطان کی کچھ خصوصی ناپسندیدہ صفات کا تذکرہ ہے۔ مختصراً یہ ہے کہ "فتنوں کے دور میں ہر بات جس کا علم ہو وہ کہی نہیں جاتی، اسی طرح وہ باتیں جو کہی جاتی ہیں، انہیں بھی ہر حال میں دہرایا نہیں جاسکتا"

اپنی باتوں اور آراء پر ضبط کرنا اور صبر سے کام لینا بہت ضروری ہے کیونکہ آپ نہیں جانتے کہ آپ کی بات رائے اور آپ کی سمجھ مخاطب پر کیا اثرات ڈال سکتی ہے۔ سلف رحمہم اللہ نے بھی فتنوں سے عافیت میں رہنے کی کوشش کی اور کافی باتوں سے سکوت اختیار کیا، اپنے دین و ایمان کو محفوظ رکھنے کی خاطر!

سعد بن ابی وقاص سے یہ بات مروی ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے سے اس وقت فرمایا جب وہ فتنہ کے دور میں بعض امور کو انجام دینے کے بارے میں باتیں کر رہا تھا کہ "اے بیٹے! کیا تو چاہتا ہے کہ میں فتنہ کی پرداخت میں سب کا راہنما بنوں۔ نہیں، اللہ کی قسم!" انہوں نے اپنے بیٹے کو منع کیا کہ وہ خود یا ان کا بیٹا فتنہ کو پھیلانے میں معاون ہوں اگرچہ کسی بات سے، یا کسی کام کے ذریعے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باوجود اس کے وہ اس کو اچھا بھی سمجھتے ہوں کیونکہ اس طرح اپنی عافیت اور انجام کو غیر پسندیدہ بننے سے بچا نہ سکیں گے۔ غرض لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ صحیح شرعی میزان پر امور کی پرکھ کریں تاکہ وہ خود بھی محفوظ رہ سکیں اور غلطی سے بچ سکیں۔ مزید یہ کہ اعمال، افعال اور دوسرے رویوں کے لئے بھی کچھ ضوابط ہیں جن کی رعایت لازمی ہے۔ ایسے نہیں کہ کوئی پسندیدہ کام فتنہ کے دوران بھی پسندیدہ رہے، جب کہ اس کام سے ان حالات میں وہ مفہوم لیا جانا بھی ممکن ہو جو قائل کی مراد نہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے (جیسا کہ بخاری نے صحیح میں روایت کیا ہے) حضرت عائشہؓ سے فرمایا:

"اگر تیری قوم کفر سے قریب زمانہ نہ ہوتی تو میں کعبہ کو گرا دیتا اور حضرت ابراہیم کی تعمیر پر اس کو بنواتا اور اس میں دو دروازے رکھتا"

نبی اکرم ﷺ اس بات سے ڈرے کہ وہ کفار جنہوں نے کچھ عرصہ قبل اسلام قبول کیا ہے، وہ آپ کے کعبے کو گرانے سے بدظن نہ ہوں اور ابراہیم کی تعمیر کے مطابق تعمیر کرنے سے، دو دروازے (ایک آنے کے لئے، دوسرا جانے کے لئے) بنانے سے ان میں غلط خیال نہ پیدا ہو۔ یا وہ کوئی اور بات ذہن میں لائیں۔ مثلاً کہ نبی اکرم ﷺ اس سے ان کے دین کا تمسخر اڑانا چاہتے ہیں یا اس سے فخر کا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ

لہٰذا اس حدیث پر امام بخاری نے بھی جو تبویب بندی کی ہے، وہ قابل غور اور بہت عظیم ہے۔ باب کا نام ہے "باب ہے بعض پسندیدہ کاموں کو ترک کرنے کے بارے میں، اس ڈر سے کہ لوگ اپنے قصورِ فہم کی بنا پر اس سے بڑے گناہ میں واقع ہو جائیں گے"

ان باتوں کے بعد واضح ہوتا ہے کہ عقل و فہم کو استعمال میں لائے بغیر کوئی قدم اٹھانا پسندیدہ نہیں۔ جلدی اور جلد بازی اچھے رویے نہیں۔

آپ پر کس نے ضروری ٹھہرایا ہے کہ فتنوں کے ضمن میں جو رائے آپ حق سمجھتے ہیں اس کو ہر جگہ، ہر مقام پر بیان کرتے پھریں۔ حق وہی ہے جو علماء اہل السنۃ والجماعت نے کھول کر واضح فرما دیا۔ اگر آپ کے پاس کوئی رائے ہے یا کوئی سوچ ہے تو اس کو علماء پر پیش کریں اگر وہ اس کو درست سمجھیں تو درست اور نہ آپ کی ذمہ داری مسلمانوں پر اپنی رائے پہچانے کی پوری ہو گئی۔

ساتواں قاعدہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے محبت و اخوت کا (بالخصوص علماء سے) بڑی سختی سے حکم دیا ہے۔ مومن مرد، عورتیں آپس میں محبت و مودت کا رویہ اپنائیں: ﴿ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ﴾ ہر مسلمان کے لئے فرض ہے کہ دوسرے مومن بھائیوں سے محبت رکھے، ان کی مدد کرے ان کے تمسخر سے پرہیز کرے۔ اور ایسے کیوں نہ ہو جب کہ مسلمان اللہ کی شریعت کے حامل اور عمل پیرا ہیں اور علماء دوسروں کے لئے حلال و حرام، حق و باطل کھول کر بیان کرتے ہیں۔

چنانچہ حرام ہے کہ علماء کا ذکر کسی درجے میں بھی برے طریقے سے کیا جائے۔ جن مجالس میں علماء کے بارے میں بد ظنی کا رویہ رکھا جائے وہ برائی کی مجلس ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء نے دینار و درہم کے وارث نہیں بنائے، انہوں نے علم کی وارثت چھوڑی ہے۔ جس نے علم کو اپنایا، اس نے گویا وافر حصہ اور اچھی قسمت پالی۔

جس آدمی نے علماء کا احترام کیا، قدر کی اور علماء اہل سنت والجماعت، اہل توحید علماء کی عزت افزائی کی، اس نے گویا انبیاء کی میراث کو محترم سمجھا اور جان لیں کہ نبیوں کی وراثت علم کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

ایسے علماء کی صفات درج ذیل ہیں، جن سے محبت، ان کے اقوال کی طرف رجوع اور ان کی قدر افزائی ایمان کا حصہ ہے:

۱- جو اپنے وقت کے اہل سنت والجماعت کے مقتدیٰ ہوں، توحید کی طرف داعی ہوں اور توحید و رسالت میں ان کی باتوں کو مستحق التفات سمجھا جاتا ہو۔

۲- ایسے علماء جو شرعی احکام کی کافی معرفت رکھتے ہوں۔ اور فقہی امور کو بخوبی سمجھتے ہیں، شرعی قواعد کی حکمتیں ان کے دائرہ علم میں ہوں اور مسئلہ کا تعین کرتے ہوئے جن اصول و قواعد کی رعایت رکھی جاتی ہے، ان سے ان کو آگاہی ہو اور اللہ کی خصوصی توفیق کے بعد مختلف فیصلوں، آراء اور احکام میں ان کا نظریہ واضح ہو۔

اس کے ساتھ ایک بات کا ذکر کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں۔ جس میں آج کل کافی لوگ مبتلا ہو چکے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک آدمی یوں کہتا ہے:

> "آج کل کے علماء واقعہ کی صحیح نزاکت کو نہیں سمجھتے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات وہ کسی محفل میں یوں مخاطب ہوتا ہے: حالات و واقعات سے ہمیں یہ سمجھ میں آیا ہے کہ علماء کے برعکس عام لوگ واقعہ کی باریکی تک پہنچ جاتے ہیں اور وہ صحیح شرعی حکم لگا سکتے ہیں۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جبکہ علماء کی اکثریت آج کل کے دور میں اس صلاحیت سے عاری ہے۔"

بخدا یہ بات ایک دھوکہ اور گمراہ کن قول کے سوا کچھ نہیں، یہ اس کے شریعت کے احکام کو صحیح طور سے نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے کہ علماء کن معاملات کی رعایت رکھتے ہوئے مسئلے پر حکم مختلف لگاتے ہیں اور کن امور کی پروا نہیں کرتے۔ اہل علم کے نزدیک کسی واقعہ کو سمجھنے کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ واقعہ کی صحیح صورت حال کا ادراک کرنا کیونکہ شرعی حکم اصل صورت حال، سمجھ میں آنے پر ہی لگایا جا سکتا ہے۔ اس قسم کے معاملے میں واقعہ کی اصل حالت کو سمجھنا ضروری ہے جو ایسا نہ کرے وہ غلطی پر ہے۔ غرض اگر ایسا معاملہ درپیش ہو جس کی صورتحال کا مختلف ہونا حکم کے مختلف ہونے کا موجب ہو تو اس واقعہ کا صحیح ادراک ازبس ضروری ہے۔

۲۔ ایسے واقعات، جن کی وجہ سے شرعی رائے میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا، واقعہ ایسے ہے، تفصیل یوں ہے اور لمبے لمبے واقعات۔ لیکن دراصل ان کا واقعہ کے حکم سے کوئی تعلق نہیں۔ اس وقت علماء ایسی تفصیلات میں نہیں جاتے اگرچہ وہ حقیقت واقعہ کو سمجھ بھی جائیں۔ سو تمام واقعات ایسے نہیں ہوتے کہ وہ شرعی حکم میں تبدیلی کی بنیاد بن سکیں۔

دونوں صورتوں کی مثال ذکر کی جاتی ہے تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو سکے!

۱۔ پہلے معاملے کی مثال یہ ہے، جس میں شرعی حکم میں واقعہ کی کیفیت ملحوظ رکھی جاتی ہے:

مثال کے طور پر، کب کسی انسان پر موت کا حکم لگایا جائے، کیا اس کے دل کی دھڑکن بند ہو جانے پر، یا اس کے دماغ کے ساکن ہو جانے پر۔

یہ ایک پیش آمدہ مسئلہ ہے۔ اگر کبھی آپ کو اس پر بات کرنا پڑے اور آپ واقعہ کو سمجھے بغیر یا حالات کے ادراک کے بغیر اپنی رائے بتائیں تو بہت امکان ہے کہ غلطی کر لیں کیونکہ اس مسئلے کی ٹھیک ٹھیک سمجھ اور اس واقعہ کا صحیح ادراک، شرعی حکم پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔

ایک اور مثال لیں: کسی حکومت کے بارے میں شرعی رائے دینا مقصود ہو اور اس کی کارکردگی کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر مطلوب ہو کہ آیا فلاں حکومت مسلمان ہے یا غیر مسلم۔ شرعی رائے دینے والے کے لئے کیسے ممکن ہے کہ کسی حکومت کے بارے میں جانے بوجھے بغیر اپنی رائے کا اظہار کرے۔ اس معاملے میں رائے دینے سے پیشتر عالم کے لئے صحیح حالات کو سمجھنا ازبس

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضروری ہے۔ جب وہ واقعہ سمجھ جائے تب اپنے فہم پر مبنی شرعی رائے ظاہر کردے۔

اس کی مثال یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جس طرح عالم اسلام میں آج کل بہت سی اسلامی جماعتیں اور تنظیمیں بن چکی ہیں۔ بعض کے مقاصد دوسرے سے قدرے مختلف بھی ہیں۔ کیا کسی عالم دین کے لئے ممکن ہے کہ ان کے معتقدات اور نظریات و حالات کو جانے بغیر کسی کے بارے میں دینی فیصلہ سنا سکے۔ لازمی ہے کہ وہ مطلوبہ جماعت کے عقائد، اصول، منہج، افکار و آراء اور اس کی دعوت کا طریقہ کار بخوبی سمجھ کر ہی اس پر اپنی رائے ظاہر کرے۔

یہ وہ صورتیں ہیں جن میں واقعے کی سمجھ حاصل کرنا لازمی ہے کیونکہ ان صورتوں میں شرعی حکم پر واقعات اثر انداز ہوسکتے ہیں، جو یہ کام نہ کرے گا، اسکے لئے غلطی اور ٹھوکر کا واضح احتمال ہے۔

دوسری قسم ان احکام کی ہے جن میں واقعات اثر انداز نہیں ہوتے۔

اس کی مثال ایسے ہے کہ قاضی کے پاس دو افراد جب اپنا جھگڑا لے کر آتے ہیں ایک شخص اپنی بات ذکر کرتا ہے اور دوسرا اپنے مطابق واقعہ کی تفصیل بتاتا ہے۔ اور لمبی لمبی باتیں اور حالات سے قاضی کو آگاہ کرتا ہے۔ لیکن اس کی یہ تمام باتیں قاضی اپنے فیصلے میں شامل نہیں کرتا۔ اس لئے کہ اگرچہ واقعہ یوں ہوا ہے لیکن اس واقعہ کا شرعی حکم کی تبدیلی میں کوئی اثر نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ایسی صورتوں میں قاضی اور مفتی عموماً یوں کہتے ہیں: کہ اگر ایسے نہ بھی ہوتا ویسے نہ بھی ہوتا، تب بھی حکم یوں ہی ہوتا۔ اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ ان واقعات کی تبدیلی سے حکم میں کوئی تبدیلی لازم نہیں آرہی۔

اس کی دوسری مثال یوں ہے جو آج کل ہم عموماً دیکھتے ہیں، اور یہ مثال مسئلہ کی وضاحت میں زیادہ آسان ہے کہ بعض اوقات بڑی عمر والے داعی حضرات، چھوٹی عمر کے نوجوان لڑکوں وغیرہ سے میل جول کرتے ہیں تاکہ انہیں دعوت دے سکیں، انہیں راہِ حق دکھا سکیں، اور یہ ان کے لئے ہدایت و اصلاح کے خواہاں ہوتے ہیں۔ ایسا عموماً تنظیموں میں، لائبریریوں اور دیگر پبلک مقامات پر ہوتا ہے۔

ہم یہ بات بھی جانتے ہیں کہ بڑی عمر کے لوگوں کے چھوٹی عمر کے لڑکوں سے میل ملاقات میں کافی مفاسد ہیں۔ بلکہ ان سے میل جول حرام ہے۔ اس سلسلے میں شریعت میں ہمیں تفصیل سے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آگاہی ہوتی ہے۔ لیکن اس شرعی آگاہی کے باوجود ہم یہ فیصلہ نہیں دے سکتے کہ بڑوں کو چھوٹوں کو دعوت نہیں دینا چاہئے اور یہ ناجائز ہے۔ برے امکانات کے وقوع سے بچتے ہوئے یہ حکم لگانا اور یہ فیصلہ سنانا مناسب نہ ہوگا کہ بڑے، بچوں کو دعوتِ دین نہ دیں۔

لیکن اس واقعہ کے واقع ہونے سے ہم یہ فائدہ حاصل کرسکتے ہیں کہ بدقسمتی سے کوئی آدمی کسی برائی میں گرفتار ہو جائے تو اس کو نصیحت کریں، سیدھی بات کی ترغیب دیں اور توبہ کی طرف توجہ دلائیں۔

چنانچہ واقعہ کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے سے یہاں حکم شرعی کے جواز اور عدم جواز کا مسئلہ پیدا نہیں ہوتا بلکہ یہاں اس سے مراد اس آدمی کے لئے نصیحت ہے جو غلط معاملے میں داخل ہونے کا امکان رکھتا ہے۔ تاکہ وہ منکر کے ارتکاب سے پہلے ہی حق کی طرف راغب ہو جائے۔ یا کم از کم اس معاملے کے ارتکاب سے بچ جائے جس کو اللہ اور اس کے رسول ناپسند کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا مثالیں صرف آپ کے ذہن میں مسئلہ کی وضاحت کے لئے پیش کی گئی ہیں۔ ایک اور بات جس سے لوگوں کو خبردار رہنا چاہیے کہ بعض شرعی احکام ایسے ہیں جس میں عامۃ الناس غلط اعتقاد رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر اس مسئلے میں کہ نبی اکرم ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ مسئلہ یہ ہے کہ بیماری، جسم پر بول اور نجاست لگنے کے خوف یا کپڑوں کے ناپاک ہونے کے خوف سے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جائز ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ایسا کیا ہے۔

لیکن عامۃ الناس اور جاہل لوگوں کا خیال یہ ہے کہ جو آدمی یوں کرے وہ غلطی کا ارتکاب کرتا اور یہ کام اخلاق و مروت کے منافی ہے اور فلاں فلاں ہے۔

جاہل لوگوں کا یہ عقیدہ رکھنا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ حکم صحیح ہے۔ اس کو قابل التفات نہیں مانا جائے گا۔ کیونکہ مسئلہ یہی ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ثابت اور صحیح ہے، اس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ چنانچہ جاہل شخص کا اپنے اعتقاد میں غلطی کھانا، اور اس شرعی حکم سے متعلقہ معاملے میں غلط تصور رکھنا، یا کسی بھی معاملے میں اپنی جہالت کی بدولت غلط اعتقاد رکھنے کا علاج یہی ہے کہ اس کی بات کو غلطی پر محمول کیا جائے اور اس کی تعلیم کی طرف توجہ دی جائے نہ کہ عالم شخص اس کی وجہ سے شرعی رائے میں تبدیلی کرلے۔

آٹھواں ضابطہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ بھی بڑا اہم قاعدہ ہے۔ اس کی طرف توجہ دینا بہت ضروری ہے۔ وہ یہ کہ کافروں سے دوستی اور ان سے موالاۃ کا تعلق رکھنا، شرعاً کیسا ہے؟

شرع میں، ائمہ توحید کے ہاں ان دونوں لفظوں کے معانی مختلف ہیں۔ اکثر لوگ ان میں سے ایک کو دوسرے سے خلط ملط کر دیتے ہیں۔

پہلا لفظ ہے: التولّی، دوسرا لفظ الموالاۃ ـــــ غیر مسلموں سے "تولّی" رکھنا انسان کو حلقہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے جبکہ ان سے موالاۃ حرام ہے اور گناہِ کبیرہ ہے۔ اس میں ایک تیسرا امر بھی ہے وہ یہ کہ مسلمان کافر سے مدد لے اور اس سے اجرت پر کام کروائے تو یہ صورت کچھ شروط کے ساتھ جائز ہے۔ بہرحال یہ تین صورتیں ہیں۔

تولی کے سلسلے میں اللہ عزوجل کا فرمان ہے: "اے ایمان والو! یہود نصاریٰ کو اپنے دوست نہ بناؤ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور جو ان سے "تولی" کرے گا تو وہ ان میں سے ہی شمار ہوگا اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیا کرتے"

تولی کی تعریف یہ ہے کہ "آپس میں جنگ کے وقت مسلمان کی بجائے کافر کی مدد کرنا تاکہ کفار مسلمانوں پر غلبہ پا سکیں" تولی کی بنیاد مخالف کی شدید محبت ہے اور مسلمانوں کے بجائے کفار کی مدد ہے۔ جو شخص کفار سے ان کے عقائد کی بدولت محبت کرے تو ایسا آدمی کافر ہے۔

موالاۃ الکفار کا مطلب ہے: ان سے الفت رکھنا، ان کے امور دنیاوی کی بدولت ان سے قرب کی خواہش رکھنا اور انہیں مسلمان بھائیوں سے مقدم اور اعلیٰ و ارفع رکھنا یہ روبہ گناہ کا باعث ہے لیکن کفر نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم ان سے محبت کے ساتھ میل جول کرتے ہو ـــــ اور جو ایسے ایسے کرے گا تو وہ سیدھے راستے سے گمراہ ہے"

اہل علم کہتے ہیں کہ اس فرمان میں ایسے مسلمانوں کو مومن کہا گیا ہے اور اس ندا میں ساتھ ہی ان کے فعل "کفار کے لئے محبت" کا تذکرہ بھی موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فعل کفر نہیں بلکہ راہِ حق سے گمراہی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ ان سے محبت کرتا ہے دنیا کی خاطر نہ کہ دین کی وجہ سے۔ اسی لئے ایسا کرنے والے ایک آدمی کو نبی اکرمؐ نے فرمایا! کہ تو نے یہ کام کس وجہ سے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا؟ اس نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم میں اپنے اسلام پر اسی طرح قائم ہوں لیکن میرا مقصد یہ تھا کہ میں ان پر کچھ احسان دھروں تاکہ وہ بحکمِ الٰہی میرے اہل و مال سے دور رہیں۔ (بخاری و مسلم) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کافر سے محبت اور میل جول رکھنا دنیاوی غرض کے لئے کفر نہیں جبکہ ایمان اور اور دلی اطمینان موجود ہو۔ بلکہ وہ فسق و فجور کے ضمن میں آتا ہے۔

تیسری صورت جو کافر سے تعاون لینے اور اُسے اجرت پر کسی کام کو کروانے کی ہے۔ اس کے بارے میں مختلف حالات میں اہل علم جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ جس صورت کو وہ مناسبِ حال تجویز کرتے ہیں' اس کے مطابق فتویٰ صادر کر دیتے ہیں۔

جہاں تک کفار کو صدقہ کے طور پر تالیفِ قلبی یا نقصان سے بچنے کے لئے مال دینے کا تعلق ہے تو اس کا حکم مذکورہ بالا تین اقسام سے علیحدہ ہے اور اس کی مستقل حیثیت ہے۔

آخری ضابطہ

مسلمان کو چاہئے کہ وہ احادیث جن میں فتن کی نشاندہی اور علامات کا تذکرہ ہے کو اپنے حالات پر لاگو کرنے سے اجتناب کرے۔ لوگوں کے لئے مستحب ہے کہ فتنوں کے ظہور پر فتن سے متعلقہ احادیث کا کثرت سے مطالعہ اور تذکرہ کریں اور اپنی مجالس میں آپ کے اقوال و علامتوں کی نشاندہی کرتے رہیں۔

لیکن علماءِ سلف کی تعلیم یہی ہے کہ احادیثِ فتن کو اپنے واقعات کے مصداق نہ ٹھہرایا جائے بلکہ ان سے درحقیقت نبی اکرمؐ کے اقوال کی سچائی اور ان سے اجتناب کرنے کا فائدہ اٹھانا چاہئے۔

مثال کے طور پر کچھ لوگ نبی اکرمؐ کے اس فرمان کہ زمانہ آخر میں گھروں میں عورتیں، مردوں سے برتری رکھیں گی کو تشبیہ دینا شروع کریں کہ جس طرح فلاں گھر میں ایسے اور فلاں مقام پر ویسے ہے یا آپ کی کسی پیشین گوئی کا مصداق کسی شخص کو ٹھہرایا جائے۔

احادیثِ فتن سے یہ کام لینا اور اس طور لوگوں میں نشرواشاعت کرنا ـــــ اہل سنت والجماعت کے طریقہ کے خلاف ہے بلکہ علماء اہل سنت ان احادیث سے، ایسی علامتوں سے بچنے اور بُرے طور طریقوں سے اجتناب کا فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس کے قرب سے بھی دور ہونے کا فائدہ لیتے ہیں تاکہ مسلمان فتنے سے محفوظ رہ سکیں اور نبی اکرم ﷺ کی پیشین گوئی کے صحیح ہونے پر اعتقاد بھی پختہ ہو، نہ کہ ان کے مصداق کچھ امور کو متعین کرکے مطعون کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ